ریاست بہاول پور میں قیام پاکستان تک سیاسی جماعتوں کی کارکردگی (۱۹۲۵ء۔ ۱۹۴۷ء) ایک تجزیاتی جائزہ

☆محمد اکبر ملک

برصغیر میں بیسویں صدی کا آغاز مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں تحرک کا باعث ثابت ہوا۔ سرسید احمد خان (۱۸۱۷۔۱۸۹۸ء) کی ذات جو مسلمانوں کے لئے ایک سیاسی ادارے کا سا درجہ رکھتی تھی' کی وفات مسلمانوں کی سیاسی زندگی کے لئے ایک خلاء سے کم نہ تھی۔ اس سے بیشتر ۱۸۸۵ء میں خود کانگریس کا قیام اور اس کے ابتدائی مطالبات یہ ثابت کر چکے تھے کہ مسلمانوں کو اپنی بقاء کے لئے کوئی نہ کوئی لائحہ عمل اختیار کرنا ہوگا۔ اسی طرح سرسید کی زندگی میں اردو ہندی تنازعہ (۱۸٦۷ء) اور پھر سب سے بڑھ کر خود حکومتی اقدامات مسلمانوں کے لئے باد سموم ثابت ہو رہے تھے۔ یہ تمام عوامل ایسے تھے کہ بقول ڈاکٹر حسن ریاض "مسلمان دیکھ رہے تھے کہ وہ لاکھ سیاست سے الگ رہیں مگر سیاست نے انکا پیچھا نہ چھوڑا۔ ملک کی ہر تحریک اور حکومت کا ہر اقدام ان پر اسی طرح اثر انداز ہوتا ہے جس طرح زمین کی چیزوں پر بارش' دھوپ اور ہوا مگر مسلمانوں کے حق میں ضرر کے ساتھ"۔(۱)

اس تمام پس منظر میں شملہ وفد کے ذریعے مسلم زعماء کی مشترکہ کوشش جو اپنے مسائل کے حل کے لئے کی گئی' کی کامیابی کے بعد مسلمانوں نے ڈھاکہ کی سرزمین پر دسمبر ۱۹۰٦ء میں مسلم لیگ کے قیام کا بیڑا اٹھایا۔ پھر ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ کو قائد اعظم محمد علی جناح جیسی پرخلوص' بااعتماد اور مدبر شخصیت میسر آئی جس نے اپنی بھرپور سعی سے مسلم لیگ کو مسلمانان ہند کے حقوق کے تحفظ کا ایک مضبوط پلیٹ فارم بنا دیا۔ تاہم آغاز کار میں قائد اعظم اور مسلم لیگ کی تمام کاوشیں برٹش انڈیا کے مسلمانوں کے لئے تھیں۔ جبکہ برطانوی ہند کی ریاستوں کے مسلمان آپ کی قیادت و سیادت سے محروم تھے۔ حالانکہ ریاستوں پر مشتمل رقبہ کل ہند کا نصف تھا اور آبادی ایک چوتھائی تھی۔(۲) اس طرح مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد برصغیر کی سیاسی جدوجہد میں شمولیت سے محروم تھی۔ اور دوہری غلامی کا شکار تھی یعنی ایک طرف برطانوی حکومت کا مضبوط حصار اور دوسری طرف ریاستی حکمرانوں کا داخلی طور پر بااختیار ہونا۔

ریاستی مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے تحفظ اور انہیں جدوجہد آزادی میں اپنے ساتھ شامل کرنے کے لئے سب سے پہلے نواب بہادر یار جنگ (۱۹۰۵۔۱۹۴۴) نے قائد اعظم کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ تو اس طرح ۱۹۴۰ء میں اسٹیٹ مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے سالانہ اجلاس بھی آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسوں کے ساتھ ان ہی مقامات پر منعقد کیے جاتے تھے۔ جس کے پہلے صدر بھی نواب بہادر یار جنگ ہی مقرر ہوئے۔

لیکچرار' شعبہ تاریخ و مطالعہ پاکستان' اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

ہندوستان کی ۶۹۳ ریاستوں (۳) میں ریاست بہاول پور برصغیر کی دوسرے درجے کی ایک اہم مسلم ریاست تھی جو تقریباً ۴۵۵۸۸ مربع کلومیٹر پر پھیلی ہوئی تھی اور جہاں ۸۳ فیصد مسلم آبادی تھی۔ (۴) یہاں کے امیران خاندان عباسیہ کی ایک شاخ داؤد پوترہ فیروزانی سے تعلق رکھتے تھے۔ اس ریاست کا آغاز ۱۷۲۷ء میں ہوا اور یہ ریاست ۱۹۵۵ء تک قائم رہی۔ مسلمان ہونے کے ناطے یہاں کے حکمرانوں کا رجحان برصغیر کے تمام مسلم اداروں اور تحریکات سے غیر شعوری طور پر قائم رہا۔ خصوصی طور ریاست کے مسلم عوام کے دل برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ دھڑکتے تھے۔ برصغیر میں جو بھی آزادی کی تحریکیں شروع ہوئیں ریاستی عوام نے اپنی مقدور بھر سعی سے ان تحریکوں میں شامل ہونے کی کوشش کی۔ ایسی سیاسی تحریکات جن میں وہ ریاستی پابندیوں کی بدولت اعلانیہ اور عملی طور پر شرکت نہ کرسکتے تھے وہاں انہوں نے اپنی مالی و اخلاقی معاونت جاری رکھی۔ اس کا سب سے بڑا مظاہرہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران دیکھنے میں آیا۔ جب یہاں کے مشرقی علاقہ جات کے بعض مسلمانوں نے آزادی کے متوالوں کا ساتھ دینے کے لیے مجاہدین کو منظم کرنے کی کوشش کی اس واقع کی اطلاع خود انگریز حکام کو ہوگئی تو انہوں نے ریاستی حکومت کے ذریعے اس شورش کو دبانے کی بھرپور سعی کی۔ (۵) غالباً غیر ملکی استعمار سے چھٹکارا پانے کے لیے یہ وہی جذبات تھے جو سید احمد شہید (۱۷۸۶ء - ۱۸۳۹ء) نے اس خطہ میں سے گزرتے وقت یہاں کے عوام میں بیدار کئے تھے۔ اسی کے تسلسل کے طور پر انگریزی تسلط سے آزادی حاصل کرنے کی جو جدوجہد تحریک ریشمی رومال کی صورت میں شروع کی گئی۔ خود اس تحریک کا ایک بڑا مرکز ریاست بہاول پور کے مغربی علاقہ خانپور میں دین پور شریف تھا جہاں اس تحریک کے ایک اہم رہنما مولانا عبیداللہ سندھی (۱۸۷۳ء - ۱۹۴۴ء) مجاہدین آزادی کی تحریک کو خفیہ طریقے سے چلا رہے تھے۔ اور یہیں سے اس انقلابی تحریک کو سندھ میں منظم کیا جارہا تھا اور اسے بین الاسلامی تحریک کا درجہ دیکر مستقبل میں ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کی راہیں ہموار کی جارہی تھیں۔ خود تحریک خلافت جس نے مسلمانان برصغیر کی مابعد کی سیاسی زندگی پر بڑے اثرات مرتب کئے اپنے آغاز کار میں ہی ریاست بہاول پور میں جڑ پکڑی۔ مزید برآں طرابلس اور بلقان کی جنگوں میں ترکی کے مسلمانوں کے لئے خطیر رقوم جمع کی گئیں اسی طرح تحریک ہجرت کے دوران ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو بھی امداد فراہم کی گئی اور ریاست سے گزرنے کے دوران ان کی تواضع بھی کی گئی۔ عدم تعاون کی تحریک کے دوران ملازمتوں سے استعفے دیے گئے۔(۶) اور بدیشی مال کا بائیکاٹ بھی کیا گیا۔ ان تمام تحریکات نے بہاولپور کے مسلمانوں کے سیاسی شعور میں خاصہ اضافہ کیا لیکن اس وقت تک ریاستی مسلمانوں نے سیاسی جدوجہد کے لئے باقاعدہ طور پر کوئی سیاسی

جماعت قائم نہ کی۔ البتہ اس دوران ریاستی ہندوؤں نے پس پردہ کانگریس اور ہندو مہاسبھا سے آشنائی پیدا کر لی تھی۔ جس کا اظہار ریاست میں ۱۹۲۳ء کے ہندو مسلم فسادات کے دوران دیکھنے کو ملا۔ ہندوؤں کے ان پس پردہ تعلقات اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سیاسی بیداری کا اندازہ خود ریاستی حکومت کو بھی نہ ہوتا۔ اگر وہ اس کا رخ ریاست کی مسلم حکومت اور مسلمان حکمران کے خلاف نہ موڑتے۔ ہندو مہاسبھا کی شہہ پا کر یہاں کی ہندو آبادی نے ریاست میں زرعی انکم ٹیکس کے نفاذ کے بعد زبردست احتجاج کیا اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی تحریک کا رخ مسلمانوں کے خلاف بھی کر دیا۔

ریاست بہاولپور کے مسلمانوں کی سیاسی سرگرمیوں کے پس منظر میں یہاں کے ہندوؤں کی شوریدہ سری کے ساتھ ساتھ برصغیر میں مسلمانان ہند کے ساتھ سیاسی یک جہتی کا جذبہ زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ سرسید کی تحریک علی گڑھ کی طرح بہاولپور میں کسی سیاسی تنظیم کے قیام سے قبل مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کا مقصد نمایاں ہے۔ اس مقصد کے لئے ۱۸۷۹ء میں "انجمن مویدالاسلام" کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے ذیلی مقاصد میں اصلاح معاشرہ کا مقصد بھی شامل تھا۔(۷) بالکل اسی نہج پر اصلاحی اور مذہبی مقاصد کے لئے ۱۹۲۵ء میں "جمیعت المسلمین" کے نام سے ایک جماعت قائم کی گئی۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ جماعت "ریاستی ملازمین" نے قائم کی۔ اس جماعت کے پہلے صدر خان غلام حسین خان مقرر ہوئے جو ریاست کے اہم منصب نائب مشیر مال کے عہدے پر فائز تھے۔ اس جماعت نے ہی یہاں کے مسلم عوام کو ایک قسم کا سیاسی پلیٹ فارم مہیا کیا۔ بالکل اسی طرح جیسا آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے مسلم لیگ کے قیام کے لئے پلیٹ فارم مہیا کیا تھا۔ اسی دوران اس جماعت کی دیکھا دیکھی ہی کچھ اور نیک سیرت لوگوں نے بھی "اخوان الصفاء" کے نام سے ایک اور اصلاحی تنظیم قائم کی جس کے سرگرم ارکان میں قاضی ریاست قاضی عظیم الدین صاحبؒ (۱۹۰۷-۱۹۸۶) کا نام نامی بھی شامل تھا۔ یہی وہ اصلاحی تنظیمیں تھیں جنہوں نے رفتہ رفتہ اپنا رخ سیاست کی وادی خار زار کی طرف موڑنا شروع کیا۔ اب تک ریاستی مسلمانوں نے جتنی بھی انجمنیں قائم کی تھیں ان کا مقصد خالصتاً اصلاحی اور مذہبی تھا۔ لیکن ریاست کے اندر آریا سماجی، مہاسبھائی اور کانگریسی رجحانات رکھنے والے ہندوؤں کے مسلم کش اور ریاست بہاولپور کی خالصتاً اسلامی رجحانات کی حامل حکومت اور مسلمان حکمران کے خلاف احتجاجانہ ردعمل اور تحریکوں پر ریاست کے باشعور مسلم طبقے کو خاصی فکر دامن گیر ہوئی۔ اور صلاح مشورے کے بعد "انجمن خدام الدین" جیسی فعال جماعت بنانے کا فیصلہ کیا۔ جس کا پہلا اجلاس ۲۵ اگست ۱۹۲۵ء کو منعقد ہوا اس کے ابتدائی ارکان میں منشی عبدالحمید، حافظ

احمد یار' مولانا محمد داؤد' عبد الرشید' محمد شفیع اور فیض محمد شامل تھے۔(۸) لیکن عملاً اس انجمن کی سرگرمیاں بھی ریاستی مسلمانوں کی معاشرتی اور مذہبی پہلوؤں سے متعلق تھی۔ انہیں سرگرمیوں نے بعد میں سیاسی رنگ اختیار کر لیا۔ اسی دوران انجمن خدام الدین اور جمیعت المسلمین نے دینی اور فلاحی کاموں کے ساتھ ساتھ بعض سیاسی مطالبات بھی پیش کرنے شروع کر دیے اور اپنے پلیٹ فارم سے بہاولپور کے مسلم عوام کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کے لئے کئی ایسے اشتہارات شائع کے جن میں میونسپل بورڈ اور ڈسٹرکٹ بورڈ اور مجلس قانون ساز کے قیام کے مطالبے کئے گئے۔ یہی نہیں بلکہ یکم اگست ۱۹۳۳ء کو انجمن خدام الدین نے اپنے اجلاس میں طے کیاکہ جمیعت المسلمین کے ساتھ ملکر بہاولپوری مسلمانوں کے سیاسی مطالبات مرتب کئے جائیں اور انہیں نواب صادق محمد خان خامس عباسی (۱۹۲۴-۱۹۵۵ء) کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ یقیناً یہ ویسا ہی اقدام تھا جیساکہ برصغیر کے مسلم رہنماؤں نے اپنی سیاسی بقاء کے لئے شملہ وفد ۱۹۰۵ء کے ذریعے طے کیا تھا۔ یہی شملہ وفد بعد میں مسلمانان ہند کی سیاسی تنظیم مسلم لیگ کے قیام کا سبب بنا۔ بالکل شملہ وفد کے خطوط پر ۳ اگست ۱۹۳۳ء کو ریاست بہاولپور کے مذہبی وسیاسی شخصیات جن کی تعداد بھی ۳۵ تھی' نے ملکر اپنے مشترکہ اجلاس میں مطالبات کا مسودہ تیار کیا۔ امیر آف بہاولپور ان دنوں اپنے وزیر اعظم نبی بخش محمد حسین (۱۹۲۹-۱۹۴۲ء) کے ساتھ شملہ میں قیام پذیر تھے۔

جمیعت المسلمین کے صدر خان غلام حسن خان کی طرف سے ایک تار شملہ بھیجا گیاجس کا جواب ریاستی وزیر اعظم کی طرف سے ۶ اگست ۱۹۳۳ء کو موصول ہوا۔ جس کا عندیہ یہ تھا کہ "ہزہائی نس اس نمائندہ وفد کو اپنی بہاولپور واپسی پر جو ستمبر ۱۹۳۳ء کے آخر میں ہو گی' شرف باریابی بخشیں گے۔(۹) شملہ سے واپسی پر امیر آف بہاولپور نے وفد مذکور سے کوئی ملاقات نہ کی البتہ ۲۹ فروری ۱۹۳۴ء کو ریاستی مسلمانوں کا ایک وفد شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد (۱۸۸۶-۱۹۴۸ء) کی سربراہی میں وزیر اعظم سے ملا اور اسے ۱۶ نکات پر مشتمل مطالبات پیش کئے۔ ان مطالبات میں شرعی قوانین کے نفاذ' خصوصاً دینی تعلیم کی ترویج' عدالتی نظام میں بعض مفید طلب تبدیلیوں' نمائندہ اداروں کے قیام' زمینداروں اور کاشتکاروں کے لئے بعض مراعات' عصمت فروشی کے خاتمے' ریاستی وزیر اعظم کی تعیناتی کے لئے مسلمان ہونے کی شرط کا ہمیشہ کے لئے تحفظ اور بطور سرکاری زبان کے انگریزی کی بجائے اردو زبان کا احیاء جیسے مطالبات پیش کیے گئے۔(۱۰)

انجمن خدام الدین جو سیاسی صورت میں جلوہ افروز ہو رہی تھی' نے اپنے ۱۲ جنوری ۱۹۳۴ء کے اجلاس میں اپنا

نام تبدیل کر کے "حزب اللہ" رکھ کر اپنی رکن سازی کی تحریک ہنگامی بنیادوں پر شروع کر دی۔(۱۱) اسی دوران قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کے نفاذ کی وجہ سے ہندوستانی عوام کو جو سیاسی حقوق و مراعات تفویض ہوئیں ان کی دیکھا دیکھی بہاولپور کے ہندوؤں نے پہلے پہل کانگریس اور مہاسبھا کی شہہ پر ریاست کی میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں سرکاری ارکان کی بجائے منتخب نمائندوں کے تقرر کا مطالبہ کیا اور اس کے لئے ایک منظم احتجاج کا راستہ اختیار کیا اس احتجاجی تحریک کا زور توڑنے کے لئے ریاستی حکومت کو بالآخر بعض ہندو لیڈروں کو گرفتار کرنا پڑا۔ اس واقعہ کے بعد ہندوستان کے بعض ہندو اخبارات ویر' بھارت' ملاپ' پرتاپ اور ہندو(۱۲) نے ریاستی حکومت کے خلاف مضامین لکھنا شروع کر دیے۔ جب شورش پسند گرفتار شدہ ہندوؤں کے مقدمہ کی سماعت کے لئے بہاولپور ہائی کورٹ کے سابق ہندو جج مہتا اودھوداس کی سربراہی میں ایک خصوصی ٹربیونل قائم کیا گیا(۱۳) تو ہندوؤں کے مقدمات کی پیروی کے لئے ہندوستان کے کئی مشہور وکیلوں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ جبکہ ریاستی حکومت کی وکالت کے لئے اس موقع پر لاہور کے مشہور مسلم لیگی وکیل ملک برکت علی پیش ہوئے جس کے نتیجے میں ۱۹۳۶ء میں چار ہندو لیڈروں کو ریاست کے خلاف بغاوت کا مجرم قرار دے کر سات سات سال کی سزائے قید سنائی گئی لیکن بہت جلد ہندو لیڈر قلعہ ڈیراور کی اس قید سخت کی تاب نہ لا سکے اور حکومت سے ایک مفاہمت کے نتیجے میں انہیں نیک چلنی کی ضمانت دینے اور آئندہ کے لئے کوئی شورش برپا نہ کرنے کی شرط پر رہا کر دیا گیا۔(۱۴) اس طرح ریاستی حکومت کی طرف سے اس سخت کارروائی کے نتیجے میں ہندو مہاسبھا اور کانگریس کی پشت پناہی پر ہونے والی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔

ریاست بہاولپور میں ہندو مسلم چپقلش کے دوران ایک نئی صورت حال سامنے آئی وہ یہ کہ مشرقی پنجاب سے برطانوی سرپرستی میں قائم ہونے والی احمدی تحریک جو دراصل اسلامی نظریات کو کمزور کرنے اور نظریہ ختم نبوت پر ضرب لگانے کے مترادف تھی' ایک عرصے سے ریاست بہاولپور میں اپنے پر پرزے نکالنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ ریاست میں انجمن احمدیہ کے قیام کی درخواست حکومت بہاولپور کو دی گئی تھی۔ (۱۵) جسے رد کر دیا گیا تھا۔ پھر اسی دوران فرانس سے احمدی تحریک کے فارن سیکرٹری کے ایک ذاتی خط میں نواب صادق خامس کو احمدی مذہب کی دعوت میں شرکت اور اس کی معاونت کے لئے لکھا گیا۔(۱۶) جس کا کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا گیا۔ اسی طرح سے اپنے کسی ذاتی حق کے سلسلے میں بہاولپور کے ایک احمدی نے خود امیر آف بہاولپور پر مقدمہ درج کرایا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اسی دوران ریاست بہاولپور کی عدالت میں مرزائیوں کو مرتد کافر قرار دینے کا ایک مقدمہ چلنے کے بعد اس کا فیصلہ مرزائیوں

کے خلاف انہیں غیر مسلم قرار دینے کی صورت میں کیا گیا تھا۔ (۱۷) اس مقدمے کی کارروائی کے دوران ہندوستان بھر کے تمام مسلم مکاتب فکر کے علمائے کرام نے متفق ہو کر مرزائیت کے خلاف اور ختم نبوت کے حق میں اپنے دلائل پیش کئے تھے۔ اس دوران بہاولپور میں برصغیر کے مذہبی و سیاسی روابط کے لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جس کے مابعد کے اثرات کے طور پر بہاولپور میں مجلس احرار کو خاصی پذیرائی نصیب ہوئی۔ اس جماعت کے سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۸۹۱۔۱۹۶۱ء) اور مولانا حبیب الرحمان کی تقریروں نے مذہبی اور سیاسی طور پر بہاولپوری عوام کو بہت متاثر کیا۔ اور اس طرح بہاولپور میں نئے رجحانات نے جنم لیا۔ اس سے پہلے ریاستی عوام جو ہندوؤں کی شرانگیزی سے بچنے کے لئے ایک سیاسی پلیٹ فارم پر متحد ہونا شروع ہوئے تھے مجلس احرار کے اثر سے جو کانگریس کی طرف خاصہ جھکاؤ رکھتی تھی کے رجحانات سے متاثر ہو کر ہندو مسلم چپقلش کو یکسر بھول کر نا صرف احمدیوں کے خلاف برسرپیکار ہوئے بلکہ ہندوؤں کے ساتھ شراکت کر کے ریاست میں سیاسی حقوق کی آواز بلند کرنے لگے۔

بہاولپور کی مذہبی اور معاشرتی تنظیمیں جو ایک حد تک بہاولپوری عوام کی سیاسی حقوق کا پرچار کرتی تھیں کے رویوں اور رجحانات میں اس وقت تبدیلی پیدا ہوئی جب یہاں پر ستلج ویلی پروجیکٹ (۱۹۲۲۔۱۹۳۳) کے اجراء سے وسیع پیمانے پر آباد کاری کا آغاز ہوا۔ اگرچہ ریاست کی زمینوں پر آباد کاری کے لئے باقاعدہ طور پر ۱۸۶۶ء سے ہی خصوصاً پنجاب اور عموماً ہندوستان کی زراعت پیشہ اقوام کو خوشحالی کی ضمانت اور مراعات کی وعدہ پر ریاست میں آباد کیا جاتا رہا تھا۔ (۱۸) لیکن ستلج ویلی پراجیکٹ کے اجراء کے بعد کسی قدر غیر ریاستی آباد کار بیرون ریاست سے یہاں پر آباد ہوئے ہوں گے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس آبادکاری کے نتیجے میں ۲۵ لاکھ ایکڑ کے قریب اراضی زیر کاشت ہوئی۔ (۱۹) اس قدر وسیع پیمانے پر آبادکاری کے نتیجے میں بہاولپور کی تاریخ میں نئے رجحانات کو جنم دیا۔ معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ یہاں کی مقامی روایات واقدار بھی بدلیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بہاولپور کی سیاسی سرگرمیوں میں خاصی تیزی آئی۔ کلیدی آسامیوں پر تعینات غیر ریاستی ملازمین نے نو آبادکاروں کے ساتھ جب ترجیحی سلوک کیا تو اسے ریاست بہاولپور کے مقامی افراد نے اپنی حق تلفی تصور کیا اور اس کشمکش کے نتیجے میں مقامی اور غیر مقامی کی کشمکش کا آغاز ہوا۔ ”نو آبادکاروں سے ایک غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے قدیم ریاستی باشندوں سے گھلنے ملنے کی بجائے خود کو علیحدہ رکھا جس کی وجہ سے معاشرے میں غلط فہمیاں جنم لیتی رہیں۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۹ء کو انہوں نے انجمن نو آبادکاران ریاست بہاولپور کے نام سے ایک انجمن قائم کی جو آبادکاروں کے حق میں تو شاید مفید ثابت ہوئی لیکن اس سے عصبیت میں اضافہ ہوا“۔ (۲۰)

اسی دوران ریاست بہاولپور میں تعلیمی پس ماندگی کو دور کرنے کے لئے اورمقامی نوجوانوں میں تعلیمی تحریک پیدا کرنے کے لئے ایک انجمن "رفیق طلباء" کے نام سے ۱۹۳۴ء میں قائم کی گئی۔ یہ انجمن بالکل انجمن حمایت اسلام کی طرز پر قائم کی گئی جس کا مقصد ریاستی طلباء کو تعلیمی سہولیات فراہم کرنی تھیں۔ اس انجمن نے ذاتی چندوں اور حکومتی امداد سے طلباء کو تعلیمی سہولتیں و وظائف فراہم کرنے شروع کیے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک نئی انجمن تعلیمی مقاصد کے لئے "اسٹیٹ سٹوڈنٹ سوسائٹی" کے نام سے معرض وجود میں آئی۔ جنہوں نے بعد میں نئے سیاسی رجحانات کو جنم دیا خصوصاً ریاستی نوجوانوں کے لئے ملازمتوں کی فراہمی کے لئے ایک تحریک چلائی گئی جس کے نتیجے میں حکومت کو ۱۹۳۷ء میں ریاستی بورڈ کی تشکیل کرنا پڑی جس نے کافی غوروخوض کے بعد شہریوں کو حقوق کے لحاظ سے تین درجوں میں تقسیم کیا۔ جس کی رو سے درجہ اول میں وہ باشندے شامل تھے جن کے آباؤاجداد ۱۸۸۰ سے قبل آباد تھے۔ درجہ دوم کے شہریوں میں ۱۸۸۰ء سے ۱۹۲۶ء تک کے افراد کو رکھا گیااور درجہ سوم میں وہ لوگ شامل تھے جو ۱۹۲۶ء کے بعد اس ریاست میں آکر آباد ہوئے۔ (۲۱) اس قانون پر آبادکاروں نے خاصے ردعمل کا اظہار کیا اور اپنی انجمن آبادکاراں کے پلیٹ فارم کو سیاسی سرگرمیوں کے طور پر استعمال کرتے ہوئے نہ صرف اس قانون کی مخالفت میں آواز بلند کی بلکہ اپنی جداگانہ نمائندگی کا مطالبہ بھی شروع کر دیا۔(۲۲) تاہم واضح طور پر ریاست بہاولپور کے اندر عوامی حقوق اور ذمہ دارانہ نظام حکومت کی تشکیل جیسے مطالبات نے سب سے پہلے ۱۹۳۶ء میں جمیعت المسلمین کے پلیٹ فارم سے جنم لیا۔ آغاز میں دبے لفظوں اپنے مطالبات امیر آف بہاولپور کی خدمت میں مکرر یاد دہانیوں کے ساتھ کرائے جاتے رہے لیکن جب حکومت نے ان مطالبات کو پذیرائی نہ بخشی تو ۱۹۳۸ء میں ایک اشتہار کے ذریعے ریاست میں ذمہ دارانہ نظام کی فوری تشکیل' ریاستی بجٹ کو باقاعدہ طور پر عوامی نمائندوں سے منظور کرانے' اسمبلی کو ریاستی نظم ونسق سے متعلق قوانین بنانے' اور عوامی وزراء کی تعیناتی جیسے مطالبات پیش کیے گئے۔دراصل بہاولپور میں سیاسی سرگرمیوں کا نقطہ آغاز جمیعت المسلمین کے اس اشتہار کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو اس کے اراکین کی طرف سے ۱۹۳۳ء میں "پبلک ریاست بہاولپور کیا چاہتی ہے؟" کے عنوان سے مولوی محمد عبدالعزیز صدر مجلس مرکزیہ جمیعت المسلمین بہاولپور کے زیر اہتمام' یونین پرنٹنگ پریس ملتان سے چھپوا کر' بہاولپور میں تقسیم کیا گیا۔ اور اس میں میونسپل بورڈ کے قیام کو شہریوں کی پہلی ضرورت' ڈسٹرکٹ بورڈ کے قیام کو زندگی کی دوسری ضرورت اور اسمبلی کے قیام کو تیسری ضرورت قرار دیا گیا۔ یہ اشتہار دو اوراق پر مشتمل تھا جس کے آخر میں امیر آف بہاولپور سے اسطرح سے استدعا کی گئی تھی کہ "ہم جاں نثاران تخت و تاج عباسیہ

اپنے پورے جذبات وفاداری کے ساتھ ساتھ توجہات عالیہ کو امور بالا کی طرف مبذول اور منعطف کراتے ہوئے عرض پرداز ہیں کہ حضور بندگان عالی و مطاعالی ان پر مشفقانہ غور و توجہ فرما کر جانثاران کی اس درخواست کو شرف قبولیت بخشیں گے"(۲۴)

اسی دوران ریاست بہاولپور میں کانگریس کی بنیاد رکھنے کی کوششوں کا آغاز یہاں کے بعض مقامی پڑھے لکھے ہندوؤں کی طرف سے شروع ہو چکا تھا۔ ریاستی سی۔آئی۔ڈی کی ایک خفیہ رپورٹ کے مطابق پرشوتم داس' ہری نند' چندر بھان اور رکی رام بمعہ ۳۷ دیگر ہندوؤں کے ساتھ کانگریس کے مشہور لیڈر سبھاش چندر بوس (۱۸۹۷ء۔۱۹۴۵ء) کی آمد پر مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۸ء کو ملتان پہنچے۔ ملتان میں سبھاش چندر بوس کی تقریروں کا لب لباب یہ تھا کہ ہمیں گورنمنٹ برطانیہ سے مکمل بائیکاٹ رکھنا چاہیے اور اس کی کوئی امداد نہیں کرنی چاہیے علاوہ ازیں ہندو مسلمانوں کو آپس میں اتفاق رکھنا چاہیے۔ ہنود بہاولپور نے وکیل ہاڑی لعل کی معیت میں اپنے بعض مطالبات سبھاش چندر کے گوش گذار کیے جس نے انہیں یہ مطالبات سٹیٹ پیپلز کانفرنس لدھیانہ کے سالانہ اجلاس میں پیش کرنے کی ہدایت کی۔

اس سیاسی پس منظر میں یہ بات واضح ہو کہ انہیں ایام میں جب بہاولپوری ہندو بہاولپور میں سیاسی آزادیوں اور تجارتی مراعات کی خاطر اپنی اعلیٰ قیادت سے صلاح و مشورے کر رہے تھے اسی دوران بہاولپور کی جماعت "حزب اللہ" اور "جمعیت المسلمین" ریاست بہاولپور میں نمائندہ اداروں کے قیام اور دیگر جمہوری حقوق کے تحفظ کے لئے ریاستی عوام میں تقریروں' بیانوں اور اشتہاروں کے ذریعے پراپیگنڈہ کرنے میں مصروف تھے۔ یہ ایک ایسا موقع تھا کہ شاطر ہندوؤں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ یہ ایک سنہری موقع ہے کہ ہمیں مسلمانوں کے ساتھ متحد ہو کر بہاولپور میں کانگریس کے قیام کی کوشش کرنی چاہیے۔ بہاولپور میں ہندوؤں کا مسلمانوں سے ایک تنازعہ مسجد گھمن والی کے متعلق جاری تھا۔ (۲۵) چنانچہ بہاولپور کی ہندو سبھا جو ایک عرصے سے بہاولپور میں خفیہ طور اپنی کارروائیوں میں مصروف تھی نے جماعت حزب اللہ کو کہلوا بھیجا کہ وہ مسجد گھمن والی کا تنازعہ ختم کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ جماعت مذکور آئندہ سیاسی لائحہ عمل میں ان کے ساتھ متفق ہو جائے دراصل اس تمام صورت حال سے اس بات کا عندیہ ملتا ہے کہ غالباً ملتان میں سبھاش چندر بوس کی آمد پر بہاولپوری ہندوؤں کی قیادت کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ مسلمانوں اور سکھوں کو اپنے ساتھ متفق کر کے ہندو سبھا کی بجائے کانگریس کے قیام کے لئے کوشش کریں کیونکہ مسلمان کسی بھی صورت میں ہندو سبھا میں شامل نہیں ہوں گے۔ لہٰذا یہ بہتر ہو گا کہ ہندو سبھا کی بجائے ریاستی ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک نئی تشکیل پانے والی

متحدہ جماعت کانام کانگریس رکھا جائے۔ مندرجہ بالا واقعات کی تصدیق ایک اور خفیہ رپورٹ مرقومہ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۸ء سے کی جا سکتی ہے کہ جمیعت المسلمین اور ہندو سبھا کے کارکن اس دوران خفیہ طریقے سے آپس میں ملتے جلتے رہے اور بہاولپور ہندو سبھا کے ایک کارکن بھگت کنول کی دکان پر اخبار "نیشنل کانگریس" بھی فروخت ہوتا رہا۔ خاص طور پر ایک ایسا اخبار بھی دیکھا گیا جس میں یہ درج تھا کہ "ریاستوں میں جو مظالم ہو رہے ہیں ان کی بابت اطلاع دی جائے تاکہ اخبار میں اس کی اشاعت کی جا سکے"(۲۶) اس اعلان کو حزب اللہ اور ہندو مہاسبھا کے ارکان نے بڑے شوق سے پڑھا۔ جماعت حزب اللہ جس نے خود کو ایک سوشل ریفارمر کی حیثیت سے پیش کیا تھا برصغیر کے سیاسی حالات سے شہہ پا کر اور ریاست میں جمہوری حقوق کے قیام کے لئے اب کھل کر سامنے آچکی تھی۔ مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۳۸ء کو مجلس احرار کے قائد سید عطاء اللہ شاہ بخاری جب بہاولپور کی جامع مسجد میں پہنچے تو ان کے اردگرد جماعت حزب اللہ کے ارکان جمع تھے جن کی قیادت اس وقت علامہ رحمت اللہ ارشد (وفات ۱۹۸۳ء) کر رہے تھے۔ علامہ رحمت اللہ ارشد نے لوگوں کو بتایا کہ ہماری جماعت حزب اللہ نے اپنے اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے عطاء اللہ شاہ صاحب کو چار دن کے لئے بلوایا ہے۔ اس طرح خود عطاء اللہ شاہ صاحب نے بھی جو وعظ کیے ان کا لب لباب بھی یہی تھا کہ "ہندوستان میں ایک برقی رد چل پڑی ہے جو ریاست کی طرف آ رہی ہے اور یقیناً یہ آئے گی۔ ہم مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے گاؤں گاؤں میں جماعت حزب اللہ قائم کرنی چاہیے مدرسے کھولنے چاہئیں"۔(۲۷) یہاں اس امر کا عندیہ ملتا ہے کہ ۱۹۳۸ء کے آخر میں ریاست بہاولپور کی مسلم جماعتیں حزب اللہ، جمیعت المسلمین اور مجلس احرار کی ہدایت پر ریاست میں سیاسی حقوق اور ذمہ دارانہ نظام حکومت کے قیام کے لئے اپنی کوششیں تیز تر کر چکی تھیں اور اس سلسلے میں بہاولپور کی ہندو سبھا نے مفاد اٹھاتے ہوئے ان مسلم جماعتوں سے اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لئے تعاون کرنا شروع کر دیا تھا تاکہ بہاولپور میں ان تمام جماعتوں کی حمایت سے ایک متحدہ جماعت کانگریس کی شاخ کھولنے کی تیاریاں کی جا سکیں۔

یہ بات واضح ہو کہ ریاست میں سیاسی سرگرمیوں کو ہر طبقے کی سطح سے شروع کرنے کا سہرا بھی بہاولپور کی مسلم سیاسی تنظیموں کو حاصل ہے۔ انہوں نے دیہات کی اکثریتی آبادی کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی جدوجہد کر دی تھی۔ اس ضمن میں انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے بعض مطالبات منوانے کے لئے حکومت کو درخواستیں بھجوائیں۔ ریاست میں آنے والا یہ سیاسی بھونچال حکومت کی نظروں سے مخفی نہ تھا۔ حکومت اس نتیجے پر پہنچی کہ یہ سب کچھ کانگریسی تحریکات کا شاخسانہ ہے اور اگر ہندو سکھ اور مسلمان تمام اپنے مطالبات پر متفق ہو گئے تو اس سے ریاست کے

اندر شدید قسم کے سیاسی احتجاج کا احتمال ہے لہٰذا اس کے انسداد کے لئے مناسب تدابیر عمل میں لائی جائیں۔اس مقصد کے لئے ریاست کے وزیر اعظم نبی بخش محمد حسین نے ۱۹۳۹ء میں ایک جامع رپورٹ تیار کی جو امیر آف بہاولپور نواب صادق محمد خان خامس کی خدمت میں پیش کی گئی۔ جمعیت المسلمین اور حزب اللہ کی ان تمام سیاسی کوششوں اور جمہوری عمل کی بقا کے لیے کئے جانے والے اقدامات کی وجہ سے یہ انجمنیں تمام مسلمانان ریاست کی نمائندہ جماعتیں بن چکی تھیں اور ریاستی عوام نے ان کی خوب پذیرائی کی۔ اسی ضمن میں ریاست کے بڑے زمینداروں کو بھی فکر پیدا ہوئی کہ وہ ان انجمنوں کے سہارے سے اپنی سیاسی قدوقامت کو بڑھانے کی کوشش کریں تاکہ مستقبل میں ہونے والی سیاسی تغیرات کے نتیجے میں جب بھی کوئی تبدیلی عمل میں لائی جائے تو یہ بڑے زمیندار عوام کے نمائندہ بن کر اپنے ذاتی مفادات اور رسوخ کو برقرار رکھ سکیں۔ اس کی پیش رفت کے طور پر ریاست کے دو بڑے جاگیرداروں مخدوم غلام میراں شاہ (۱۹۰۵-۱۹۸۶ء) آف جمال دین والی اور سردار محمد افضل لغاری آف رحیم آباد نے اپنی ہمدردیاں جمعیت المسلمین اور حزب اللہ سے جتانی شروع کردیں اور اس موقع پر ان دونوں حضرات نے مبلغ ایک ہزار روپیہ بطور چندہ ان انجمنوں کو دیا۔(۲۸)

دوسری طرف ریاست میں اس بڑھتی ہوئی سیاسی صورت حال نے حکومت کے اعلیٰ عہدیداران کو بڑا متفکر کردیا اور وہ مستقبل کے لیے کوئی ایسا لائحہ عمل طے کرنے پر آمادہ ہوگئے جس سے ان سیاسی سرگرمیوں کو ایک حد تک روکا جاسکے۔ اس ضمن میں ریاست کے وزیراعظم نبی بخش محمد حسین نے امیر آف بہاول پور سے حتمی اجازت حاصل کرنے کے لیے ایک جامع رپورٹ مرتب کی جس کا لب لباب یہ تھا کہ ریاست بہاول پور میں سیاسی بے چینی کا آغاز ۱۹۳۴ء سے ہوا ہے اور یہ سیاسی عمل مختلف قسم کی مذہبی اور تعلیمی انجمنوں' جن کے پس پشت سیاسی مقاصد کارفرما ہیں' کی سرگرمیوں کے نتیجے میں سامنے آیا ہے۔ ان سرگرمیوں کو بیرونی عناصر کے وقتاً فوقتاً دوروں سے بڑی تقویت ملی۔ یہ وہ عناصر تھے جو برطانوی ہند میں مختلف سیاسی تنظیموں کے ایجنٹ تھے۔ انھوں نے بہاول پور میں سنہری موقع پاتے ہوئے اپنے سیاسی خیالات کی خوب تشریح کی اور مقامی عناصر کے باہمی اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف قسم کے سیاسی عقائد رکھنے والے افراد میں اپنا سیاسی اثر و نفوذ پیدا کیا۔ بہاول پور کی موجود سیاسی صورت بہرحال انہیں افراد کی پیدا کردہ ہے اور ہماری عوام جو اس وقت اس سیاسی عمل میں آج نمایاں ہیں وہ بخوبی اس بات کو جانتے ہیں کہ وہ اقلیت میں ہیں۔ لیکن اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے وہ مذہبی اور دوسری انجمنوں کی شکل میں اپنے سیاسی مفادات کی تکمیل میں

کوشاں ہیں۔ ان کا ذمہ دارانہ نظام حکومت کے قیام کا مطالبہ اس وقت میرے خیال میں نہ صرف غیر مصلحت پسندی پر مبنی ہے بلکہ غیر منطقی بھی ہے۔ ذمہ دارانہ نوعیت کے اداروں کی کامیابی کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ ریاست یا مملکت کے شہری ان اداروں کے لیے موزوں بھی ہیں یا نہیں۔ دوسری بہت سی چیزوں کے علاوہ ان کے لیے سب سے زیادہ اہم یہ بات ہے کہ وہ صحیح طور پر تعلیم یافتہ ہوں اور شہری شعور رکھتے ہوں۔ اس لحاظ سے اگر ہم ریاستی عوام کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ اس چیز کے لیے بالکل نااہل ہیں۔ ان کی یہ تمام چیخ وپکار ایک ایسی چیز کے لیے ہے جس کا حصول ناممکن ہے۔ ان کے الفاظ میں

"Their demand for representative institutions is nothing short of a cry for the moon." (29)

وزیر مذکور کی یہ رپورٹ انگریزی زبان دانی کے اعتبار سے ایک شاہکار تھی جس کے اقتباسات قابل ذکر ہیں۔ مثلاً درج ذیل سطور میں وہ اپنے غیر جمہوری رجحانات کا ذکر اس طرح سے کرتے ہیں۔

"Personally I do not believe in the democratic form of Government. The world has always believed in a one man show and always will. Democracy has been tried again and again and found wanting. Rome got rid of her kings but republicansim was ultimately succeeded by dictatroship. The same thing we find today. Hitler and Mussoolini may not be kings by designation but for all practical purposes they are" (30)

وزیر موصوف نے جمہوری اداروں کے ریاست میں قیام کے مضمرات سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

"The award of such institutions at a time like this will and must prove premature and will amount to the giving of loaded gun to a child to play with".(31)

وزیر مذکور کا خیال تھا کہ یہاں کے عوام کو براہ راست جمہوری عمل میں شامل کرنے کی بجائے انہیں بتدریج جمہوری اداروں سے شناسا کیا جائے دراصل وہ چاہتے تھے کہ ریاست کی موجودہ سیاسی صورت حال سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ محدود پیمانے پر جمہوری اداروں کو متعارف کرایا جائے اور انہیں صرف اس حد تک ان اداروں میں شریک کیا جائے جس حد تک وہ اپنی محدود تعلیمی قابلیت اور سیاسی شعور کی بنا پر شرکت کے قابل ہوں۔ ان کے بقول۔

"If they are not worthy then steps should be taken to bring them up to the required standard. The maxim of Emperor Joseph of Austria "Every true reform must begin from below" is a wise one and our immediate duty is to take some further steps to ameliorate the condition of the masses and to hold out more inducements to them so that they may get properly educated and become fit for serving on representative bodies."(32)

بالآخر حکومت نے امیر آف بہاول پور کی منظوری کے لیے جو سفارشات مرتب کی ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ مختلف مطالبات اور حقوق کی حقیقت کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیٹی کا تقرر کیا جائے جو موجودہ سیاسی صورت حال کا جائزہ لے۔

۲۔ یہ کہ رفیق العلماء، حزب اللہ اور جمعیت المسلمین جیسی انجمنوں پر مکمل پابندی لگادی جائے تاکہ برائی کو اس کی جڑ سے اکھاڑا جاسکے۔

۳۔ یہ کہ ہر قسم کے بیرونی سیاسی رہنماؤں کا ریاست میں داخلہ بند کرایاجائے، مذہبی علماء کو صرف اس تحریری یقین دہانی پر ریاست میں خطاب کرنے کی اجازت ہو وہ سیاسی تقاریر نہیں کریں گے۔ اور یہ کہ اس کے بعد بھی ان کی نقل و حرکت اور سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔

۴۔ یہ کہ کسی بھی سرکاری ملازم کو اس اس بات کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ براہ راست یا

بلاواسطہ طور پر کسی بھی مقامی یا بیرونی سیاسی نوعیت کی انجمنوں سے رابطہ قائم کرے۔

درجہ بالا حکومتی اقدامات کے باوجود ۱۹۳۹ء کو ریاست بہاولپور کی تاریخ میں جمہوری حقوق کی جدوجہد کے سلسلے میں شورش کا سال قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی دوران مجلس حزب اللہ کے مولوی محمد عبدالرحمن امام جامع مسجد بہاولپور اور سابق سیکریٹری مجلس حزب اللہ کو گرفتار کیا گیا اور حزب اللہ کے مرکزی دفتر کی تلاشی لی گئی۔ دراصل حکومت نے یہ اقدام مستقبل کی پیش بندی کے طور پر کیے دفتر کی تلاشی کا مقصد حکومت کے خلاف اس سیاسی انجمن کی مستقبل کے لائحہ عمل سے متعلق تحریری مواد کی بازیابی تھی۔ اس پر ریاست بھر میں شدید احتجاج ہوا۔ انجمن نے "ضروری گذارش" کے نام سے اشتہار چھپوائے جس میں امام مذکور کی گرفتاری اور دفتر مرکزیہ کی تلاشی کی صورت میں تحریک سول نافرمانی شروع کرنے کی دھمکی دی۔ (۳۳) جس کی مخالفت میں "انجمن اشاعت سیرت النبیؐ اور جمیعت التجار کی طرف سے جوابی اشتہار "اعلان" کے نام سے شائع ہوا۔ (۳۴) انجمن اشاعت سیرت النبیؐ کا قیام ۱۹۳۶ء میں ہوا اور یہ انجمن اس لحاظ سے جمیعت المسلمین اور حزب اللہ کے مد مقابل تھی کہ اول الذکر دونوں انجمنیں مذہبی اعتبار سے احراری مکتبہ فکر اور نیشنلسٹ علماء کے ساتھ وابستہ ہونے کے ناطے کانگریسی سیاست کی پیروکار تھیں جبکہ انجمن اشاعت سیرت النبیؐ بریلوی نکتہ نظر سے تعلق رکھتی تھی اور اس کے رجحانات مسلم لیگ سے ہم آہنگ تھے۔ اس لحاظ سے انجمن اشاعت سیرت النبیؐ کا قیام ریاست میں بریلوی نقطہ نظر کی ترویج و اشاعت کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ کے قیام کی طرف پیش رفت تھی۔ انجمن اشاعت سیرت النبیؐ کے اشتہار کا عندیہ یہ تھا کہ ریاست کے مسلمانوں پر مولوی عبدالرحمن کی گرفتاری کا کوئی اثر نہیں ہوا اور یہ سب کچھ مجلس مرکزیہ حزب اللہ کا پروپیگنڈا ہے اور یہ کہ بہاول پور کی جانثار مسلم رعایا اور مسلمان تاجر حکومت اور رعایا نواب صاحب کے وفادار ہیں۔ اس سیاسی چپقلش سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ریاستی حکومت نے عوام کو مطمئن کرنے کے لیے ان کی اشک شوئی کے طور پر جون ۱۹۳۹ء میں ایک ریفارمز کمیٹی قائم کی۔ جس کے ارکان میں میجر شمس الدین (۱۹۲۲-۱۹۴۴) عبدالقیوم خان اور میجر حفیظ اللہ شامل تھے اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اس کمیٹی کے ارکان کا عوامی نمائندہ ہونے سے دور کا تعلق نہیں تھا اور یہ حکومت کی طرف سے نامزد ارکان تھے ناکہ منتخب۔ اس لیے ریفارمز کمیٹی کے قیام پر جمیعت المسلمین نے بھرپور طریقے سے اعتراض کیا اور یہ عندیہ دیا کہ چونکہ ریاستی عوام سیاسی طور پر جمیعت المسلمین سے وابستہ ہیں لہٰذا اسے ریفارمز کمیٹی میں نمائندگی دی جائے اپنے اس مطالبہ کو

منوانے کے لیے جمعیت نے "پبلک کیا چاہتی ہے" کے عنوان سے ایک دوسرا اشتہار جاری کیا جس میں حسب سابق نمائندہ اداروں کے قیام، زرعی ٹیکسوں اور محصول کی زیادتی، ملازمتوں میں مقامی امیدواروں سے زیادتی، رشوت ستانی اور افسرشاہی کی مراعات کے خلاف حکومت کی توجہ دلائی گئی تھی۔(۳۵)

برصغیر کی تاریخ میں دوسری جنگ عظیم کا آغاز جہاں ہندوستان بھر میں سیاسی بیداری کے طور پر جانا جاتا ہے وہاں ریاستوں میں ڈیفنس آف انڈیا رولز کے سخت قوانین کے نفاذ کی وجہ سے سیاسی سرگرمیوں میں ٹھہراؤ آگیا۔ لیکن آخر کب تک سیاسی عمل کو روکنے کی یہ پالیسی بھی بہتر ثابت نہ ہوئی۔ مجلس احرار کا ریاست بہاول پور سے ایک عرصے سے سیاسی تعلق تھا۔ آخر کار ۱۹۴۲ء میں مجلس احرار کی ایک باقاعدہ شاخ خانپور میں قائم کی گئی (۳۶) اور دیکھتے ہی دیکھتے احراری کارکنوں نے ریاست کے کئی دوسرے مقامات پر بھی مجلس احرار کی شاخیں قائم کردیں۔ اور بالآخر ۱۹۴۴ء میں ریاست کے صدر مقام بہاول پور میں بھی مجلس احرار کا دفتر قائم کردیا گیا۔ یہ امر واضح طور پر ریاست میں کانگریسی اثر و نفوذ کی دلیل تھی دوسری طرف ریاست میں جمعیت المسلمین، جس میں زیادہ تر جدید پڑھے لکھے افراد شامل تھے، میں نوجوان طبقہ سبقت لے چکا تھا جو تحریک علی گڑھ سے خاصے متاثر تھے۔ بہاول پور میں ایس۔ای کالج کے طالب علموں کی ایک خاصی تعداد بھی ان میں شامل تھی۔ قرار داد پاکستان ۱۹۴۰ء میں پیش ہوچکی تھی۔ جس نے نہ صرف مسلم لیگ کا گراف اونچا کیا تھا بلکہ اس سے نوجوان مسلم لیگی رجحانات کا حامل ایک طبقہ ریاست بہاول پور میں بھی پیدا ہوچکا تھا جو اب تک جمعیت المسلمین کے پلیٹ فارم سے وابستہ تھے۔ انہوں نے کانگریسی رجحانات رکھنے والے بزرگوں سے صریحاً بغاوت کرتے ہوئے جمعیت المسلمین کے منشور کو مسلم لیگ کے منشور سے قریب تر کرنے کی کوشش کی۔ اس قدیم اور جدید کی چپقلش نے جب نوجوانوں کی برتری کو ظاہر کردیا تو جمعیت المسلمین اور حزب اللہ کے ارکان میں سے کانگریسی رجحانات کے حامل افراد نے جو خود کو جمعیت العلماء ھند کے پیروکار سمجھتے تھے ایک علیحدہ جماعت "خدام وطن" کے نام قائم کرلی۔ اب جمعیت المسلمین خالصتاً آل انڈیا مسلم لیگ کے خیالات کی ترجمان بن گئی جبکہ خدام وطن نے کانگریسی نظریات کی ترویج کو اپنا مقصد بنایا جس سے ان دونوں جماعتوں میں آپس میں سیاسی چپقلش کا بھی آغاز ہوا بلکہ جمعیت المسلمین نے یہ چابک دستی بھی دکھائی کہ جب بھی کسی اشتہار پر اپنی جماعت کا نام لکھتی تو بریکٹ میں مسلم لیگ کا نام ضرور لکھ دیا جاتا۔ اور یہی بات ریاست بہاول پور میں آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کی شاخ کے قیام کا باعث بنی۔ البتہ نام کی تبدیلی پر جب حکومت کی طرف

سے باز پرس ہوئی تو اس کی وضاحت یہ کی گئی کہ جمعیت المسلمین کا انگریزی ترجمہ دراصل مسلم لیگ ہی ہے۔ یہاں پر ایک اور بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جہاں ریاست بہاول پور میں مسلم لیگ کی داغ بیل ڈالنے میں خالصتا مقامی افراد کا کردار ثابت ہے وہاں بعد میں اسے تقویت پہنچانے کے لیے غیر ریاستی افراد کی کوشش بھی سامنے نظر آتی ہے۔ کیونکہ جمعیت المسلمین کے پلیٹ فارم سے جو مطالبات پیش کئے گئے تھے ان کا تعلق زیادہ تر آباد کاروں اور غیر مقامی افراد سے تھا۔ لہٰذا انہوں نے اس جماعت کے پلیٹ فارم سے وابستہ ہونا اپنے مفاد میں سمجھا۔ انہیں دنوں جب آل انڈیا مسلم لیگ نے ہندوستان کی ریاستوں میں اپنی شاخیں کھولنے کے لیے نواب بہادر یار جنگ کی صدارت میں اپنا کام شروع کیا تو ابتداء میں اس میں ہر ریاست کے دو دو نمائندے لیے گئے، بہاول پور سے عبدالحمید خاکوانی ایڈووکیٹ اور انوار الرب گلزار کریمی اس کے نمائندے مقرر ہوئے۔ (۳۷) اب چونکہ ریاستی قوانین کی رو سے ریاست میں براہ راست آل انڈیا مسلم لیگ کی شاخیں قائم کی جاسکتی تھیں لیکن جمعیت المسلمین کے اس گروپ نے جو مسلم لیگ کی طرف واضح جھکاؤ رکھتا تھا کی کوششوں سے جمعیت کا الحاق آل انڈیا مسلم لیگ سے کرنے کی کوششیں تیز تر کردی گئیں اور اس سلسلے میں حیات ترین (وفات ۱۹۵۴ء) کی خط و کتابت نواب بہادر یار جنگ صدر آل انڈیا مسلم لیگ سے ہوئی۔ جیسا کہ اس سے پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ جمعیت المسلمین سے کانگریسی اور دیوبندی خیالات کے حامل ارکان علیحدہ ہوکر خدام وطن کے قیام کا اعلان کرچکے تھے اس خلا کو پر کرنے کے لیے اور جمعیت المسلمین کو مضبوط کرنے کے لیے ایک اور واضح پیش رفت ہوئی کہ انجمن اشاعت سیرت النبیؐ جو بہاول پور میں بریلوی مکتبہ فکر کی ایک جماعت تھی نے اپنی سیاسی حکمت عملی کے طور پر جمعیت المسلمین کے باقی ماندہ مسلم لیگی رجحانات کے حامل کارکنان سے ملکر ایک نئی جماعت "مسلم بورڈ" کا قیام کیا۔ اس تنظیم کے پہلے صدر پیرزادہ سلیم اسلم (۱۹۱۰۔۱۹۶۷ء) تھے پیرزادہ سلیم اسلم نے اپنی قانونی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کوشش کی کہ ریاستی حکومت ریاست کے اندر مسلم لیگ کی شاخ قائم کرنے کی اجازت دیدے جسے منظور نہ کیا گیا۔ اس دوران مسلم بورڈ کے سیکریٹری سلطان عبدالمجید نے اس تمام صورت حال سے متعلق قائداعظم محمد علی جناح کو خط لکھا۔ جس کے جواب میں قائداعظم نے ہدایت کی کہ "ریاستی قانون کا احترام کرتے ہوئے حکومت سے دوستانہ فضاء میں مذاکرات کیے جائیں"۔(۳۸)

قائداعظم سے اس خط و کتابت کے بعد مسلم بورڈ کے ارکان نے تحریک پاکستان کی مہم کو پرامن طریقے پر

جاری رکھتے ہوئے اور مسلم لیگی مقاصد کو فروغ دینے کے لیے اپنی کوششوں کو جاری رکھا دوسری طرف جمیعت المسلمین کے وہ ارکان جو مسلم لیگی مقاصد سے وابستگی رکھتے تھے انہوں نے مسلم بورڈ کے ارکان سے سبقت لے جانے کے خیال سے اپنے متحرک کارکن انوارالرب گلزار کریمی کے ذریعے آل انڈیا مسلم لیگ کی یوپی برانچ کے صدر نواب اسماعیل خان کے توسط سے جمیعت المسلمین کا الحاق پنجاب مسلم لیگ سے کرانے کی کوشش کی۔ لیکن چونکہ مسلم لیگ کے ضابطے کے مطابق کسی بھی ریاستی جماعت کا الحاق کسی بھی صوبائی مسلم لیگ سے نہیں ہو سکتا تھا اس لیے نواب اسماعیل خان نے ۲۴ دسمبر ۱۹۴۴ء کو اپنے ایک مراسلہ کے ذریعے اس مجبوری کا اظہار انوارالرب گلزار سے کیا۔ بالآخر کافی تگ و دو کے بعد انہوں نے پنجاب مسلم لیگ سے جمیعت المسلمین کے الحاق کی ناکامی کے بعد بطور آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن کی حیثیت سے جمیعت المسلمین کا الحاق اسٹیٹس مسلم لیگ سے ۸ نومبر ۱۹۴۶ء کو کردیا۔ (۳۹) اس الحاق کے نتیجے میں بہاول پور مسلم بورڈ اور جمیعت المسلمین کے درمیان ایسی سیاسی چشمک پیدا ہوئی جو اگر نہ ہوتی تو ریاست بہاول پور میں مسلم لیگ سے وابستگی رکھنے والی ان جماعتوں کی کارکردگی برصغیر کے دوسرے بڑے صوبوں کی کارکردگی سے کم نہ ہوتی۔ تاہم مسلم لیگی رجحان رکھنے والی ان دونوں جماعتوں میں پیش پیش مسلم بورڈ تھا جو عملی طور پر زیادہ فعال ثابت ہوا اور جس میں کانگریسی اور نیشنلسٹ اثرات کو زائل کرنے کے لیے پریس کو استعمال کیا گیا۔ اس سلسلے میں پیرزادہ سلیم اسلم کا "نوائے مسلم" اور حیات ترین کا اخبار "انصاف" پیش پیش تھے۔ مسلم بورڈ کی کارکردگی اس لحاظ سے بھی جمیعت المسلمین سے بہتر تھی کہ مسلم لیگ کے مقاصد کی ترویج کے لیے مسلم بورڈ کے ارکان نے بہاول پور کے علاوہ صادق آباد' رحیم یار خان' خانپور' لیاقت پور' بہاولنگر' منچن آباد' صادق گنج' چشتیاں اور خیرپور جیسے ریاست کے اہم ترین مقامات میں اپنی شاخیں قائم کرلیں اور ان کے دفاتر پر مسلم لیگ کا پرچم بھی لہرایا۔ مسلم بورڈ کی اس بہتر کارکردگی کی وجہ سے خود آل انڈیا سٹیٹس مسلم لیگ بھی جمیعت المسلمین کے مقابلے میں مسلم بورڈ کو زیادہ سمجھتی تھی اور اہم معاملات میں مسلم بورڈ سے ہی رجوع کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں مسلم بورڈ کی کارکردگی اس وقت سامنے آئی جب اس تنظیم نے کیبنٹ مشن کے منصوبے ہندوستان کی مجلس قانون ساز میں ہندوستانی ریاستوں کے لیے بلا تخصیص ہندو مسلم ۹۳ نشستیں مختص کی جائیں' کی روشنی میں ریاستی مسلمانوں کے لئے بھی نشستیں مخصوص کرنے کا مطالبہ کیا اور وزیر اعظم برطانیہ' وزیر برائے امور ہند اور وائسرائے ہند کے نام احتجاجی مراسلے بھیجے۔ جس کے نتیجے کے طور پر جلد ہی لارڈ ماؤنٹ بیٹن

(۱۹۰۰-۱۹۷۹ء) نے ایک اعلان ریاستی عوام کے حقوق کے بارے میں بھی جاری کیا۔ اس بڑی کامیابی کے پس پشت بہاول پور مسلم بورڈ کی مساعی کارفرما تھی۔ جس کا اعتراف خود صدر آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ منظر عالم نے اپنے خط مورخہ ۱۵ جون ۱۹۴۷ء کو سیکریٹری مسلم بورڈ کے نام تحریر میں کیا۔(۴۰)

۳ جون ۱۹۴۷ء کے منصوبہ کے مطابق برطانوی حکومت اور ہندوستان کی بڑی سیاسی جماعتوں نے اس امر پر اظہار رضامندی کیا کہ برصغیر پاک و ہند کو دو خود مختار اور آزاد مملکتوں ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم کردیا جائے۔ ریاست بہاول پور میں مسلمانوں کے علیحدہ وطن کی تشکیل کو تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں کی طرف سے بڑی پذیرائی ملی خصوصاً جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ نے اسے بہت سراہا لیکن اسی دوران جب ریاستوں کے الحاق سے متعلق بعض سوالات ابھرے تو اس موقع پر انجمن خدام وطن کے صدر میاں فیض محمد چوڑی گر کی طرف سے اچھوتا بیان سامنے آیا کہ "ضروری نہیں کہ جذبات کی رو میں بہہ کر اندھا دھند کسی ڈومنین کے ساتھ وابستگی کا اعلان کردیا جائے۔ حکام ریاست کو دیکھنا چاہیے کہ ہماری آئندہ خوشحالی کس کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیا ہمیں بھاکڑہ ڈیم سے پانی ملے گا؟ کیا ہمارے موجودہ نہری پانی میں اضافہ کیا جائے گا؟ ریلوں اور ڈاکخانے کی آمدنی میں سے ہمیں کتنا حصہ ملے گا؟' کیا ہمیں ضروری اشیاء مثلاً کپڑا' کھانڈ وغیرہ مہیا کرنے میں سہولتیں دی جائیں گی؟ جو ہمارے یہ مطالبات تسلیم کرے اس کے ساتھ الحاق کرنا چاہیے خواہ وہ پاکستان ہو یا ہندوستان"۔ (۴۱) آخر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مسلمانان ہند نے قیام پاکستان کی نوید پائی۔ اس نئی اسلامی مملکت کا ظہور ریاست بہاول پور کے عوام کے لیے بڑا خوش کن تھا۔ مسلم لیگی رجحانات کی حامل جماعتوں جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ نے ریاست بھر میں جلسے جلوسوں اور پاکستانی پرچم لہرانے کی تقریبوں سے اس جشن کو شایان شان منانے کی سعی کی۔ اور مساجد میں شکرانے کے نوافل ادا کئے گئے۔ پاکستانی ترانا پیش کیا گیا اور پاکستانی پرچم کو سلامی دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی ریاست کے اہم شہروں میں امیر آف بہاول پور سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا کہ وہ ریاست بہاول پور کا الحاق پاکستان سے کریں۔ اسی موقع پر کانگریسی رجحانات کے حامل افراد سے متعلق یہ بات کی گئی کہ جو لوگ ریاست کو ہندوستان سے ملحق کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں ہم ان کی کوششوں کو خاک میں ملادیں گے۔ یہاں یہ بات واضح ہو کہ خود امیر آف بہاول پور نواب صادق خان خامس (۱۹۲۴ء - ۱۹۵۵ء) بھی اپنی ریاست کی جغرافیائی ساخت' مسلم اکثریتی آبادی' اسلامی رجحانات کے حامل ہونے کی وجہ سے اپنی ریاست کا الحاق پاکستان سے کرنا چاہتے تھے۔ مزید ازاں امیر آف بہاول پور کے

قائداعظم محمد علی جناح سے بھی خصوصی مراسم تھے۔ اس تمام پس منظر کی روشنی میں ۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو اپنی ریاست کا الحاق پاکستان سے کرنے کا اعلان کردیا۔

بہاول پور کا پاکستان سے الحاق ریاست میں مسلم لیگی رجحانات کی حامل جماعتوں کے لیے ایک بڑی کامیابی تھی۔ لیکن ابھی باقاعدہ خطوط پر بہاول پور میں براہ راست مسلم لیگ کا قیام عمل میں نہیں لایا گیا تھا۔ اگرچہ بہاول پور میں کانگریسی عناصر کی ریشہ دوانیوں نے مسلم بورڈ اور جمیعت المسلمین کو ایک دوسرے سے قریب کردیا تھا تاہم یہاں پر باقاعدہ مسلم لیگ کی شاخ کا قیام صرف اسی صورت میں ممکن ہوسکتا تھا کہ اگر بہاول پور کی یہ دونوں جماعتیں ایک ہوجائیں۔ بلاآخر ۱۴ اپریل ۱۹۴۸ء کو مولانا شبیر احمد عثمانی (وفات ۱۹۴۸ء) بہاولپور تشریف لائے اور ان دونوں جماعتوں کو مدغم کرکے آل بہاول پور اسٹیٹ مسلم لیگ کے قیام کا اعلان کیا۔(۴۲)

المختصر بیسویں صدی کے آغاز میں جو سیاسی جمود ریاست بہاولپور کی فضاء میں قائم تھا اس کا خاتمہ برصغیر پاک و ہند میں پین اسلام ازم کی تحریک بلخصوص بلقان کی جنگوں میں ترک مسلمانوں پر عیسائیوں کی جانب سے ڈھانے جانے والے مظالم کے رد عمل کے طور پر جو اضطراب اور بے چینی کی کیفیت پیدا ہوئی' اور جس کے اظہار کے لئے علامہ محمد اقبال' علی برادران اور شبلی نعمانی جیسی شہرہ آفاق شخصیات نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے سیاسی بیداری پیدا کی' جس نے آگے چل کر تحریک خلافت کی صورت میں سیاسی بھونچال کی شکل اختیار کی اس کی صدائے بازگشت ریاست بہاولپور میں محسوس کی گئی غرضیکہ تمام بین الاقوامی اور قومی تحریکوں کا ریاستی عوام پر گہرا اثر ہوا جس کے نتیجے کے طور پر ریاست میں پہلی جماعت "انجمن مؤید الاسلام" کا قیام عمل میں آیا جس کی پیروی کرتے ہوئے ریاست میں کئی دوسری مذہبی' معاشرتی اور اصلاحی جماعتیں قائم ہونا شروع ہوئیں۔ لیکن ان سب سیاسی جماعتوں میں جمیعت المسلمین اور مسلم بورڈ کو اس لئے امتیازی حیثیت حاصل رہی کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ ریاستی عوام کے سیاسی حقوق کے تحفظ کی جدوجہد کی بلکہ برصغیر میں قائم ہونے والی پہلی مسلم جماعت "آل انڈیا مسلم لیگ" سے بھی اپنے روابط استوار کیے۔ جو اس لحاظ سے خوش آئند ثابت ہوئے کہ اس سے ایک طرف تو ریاستی عوام کی اکثریت ہندومہاسبھا اور کانگریس کے اثرورسوخ سے محفوظ رہی اور یہ کہ مسلمانوں نے مسلم لیگ کے آئین کے تحت ریاستوں میں مسلم لیگ کے مقاصد کو آگے بڑھانے کی جدوجہد کو اپنا شعار بنایا تو "جمیعت المسلمین" نے بہاولپور میں قائم ہونے والی دیگر مذہبی و اصلاحی تنظیموں کے اشتراک عمل سے اسٹیٹ مسلم لیگ کی

صورت اختیار کی۔ دراصل اسٹیٹ مسلم لیگ بہاولپور کے پس پشت مسلم لیگی رجحانات کے حامل عوام کی تائیدوحمایت اور قوت ہی کارفرما تھی جس نے مسلمانوں کے لئے برصغیر میں علیٰحدہ وطن کے مطالبے کی حمایت کی اور قیام پاکستان کے بعد ریاست کے الحاق کا ایک بڑا اہم محرک ثابت ہوئی۔

یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ریاست بہاولپور میں اس سیاسی جدوجہد کے اثرات کے نتیجے کے طور پر ریاستی حکمران اس امر پر آمادہ ہوئے کہ وہ عوام کے بنیادی سیاسی حقوق کا احترام کرتے ہوئے ضروری تحفظات فراہم کریں اور اہم جمہوری اصلاحات کا نفاذ عمل میں لائیں۔ جیسا کہ امیر آف بہاولپور کی جانب سے سیاسی مراعات کا اعلانیہ بتدریج جاری رہااور رفتہ رفتہ جمہوری منتخب اداروں کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ ان ہی سیاسی مراعات اور اداروں کی تشکیل کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۵۲ء میں پہلی مرتبہ انتخابات کا انعقاد عمل میں آیا اور پہلی باضابطہ قانون ساز اسمبلی معرض وجود میں آئی اور نواب نے ریاست کا انتظام و انصرام عوام کے منتخب نمائندوں کی تحویل میں دیا۔

حوالہ جات

۱۔ ریاض حسن، پاکستان ناگزیر تھا، ۱۹۶۷ء، کراچی، ص ۵۱ ۔

2. Moon' Penderel' Strangers in India' London' 1943' p.70

3. William Lee Warmer' Sir' The Native States of India' London' 1910' p.4

۴۔ دین محمد، مولوی، میونسپل گزٹ، صادق نمبر، لاہور، ۱۹۳۰ء، ص ۱۰ ۔

5. Punjab' Govt.' Muting Records Reports' Lahore' 1911' p.43.

۶۔ طاہر، صدیق، تحریک آزادی بہاولپور، "الزبیر" سہ ماہی، تحریک آزادی نمبر، لاہور، ۱۹۷۰ء، ص ص ۴۴۸، ۴۴۹ ۔

۷۔ مسعود حسن شہاب، بہاولپور کی سیاسی تاریخ، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۶۵ ۔

۸۔ ایضاً، ص ۶۸ ۔

۹۔ رجسٹر سیاسی خطوط حکومت بہاولپور، خط نمبر C-155، محافظ خانہ، بہاولپور، ۶ اگست، ۱۹۳۳ ۔

۱۰۔ مسعود حسن، شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ص ۷۳ تا ۷۶ ۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۷۷ ۔

۱۲۔ صادق الاخبار، صادق الانوار پریس بہاولپور، ۹ جنوری ۱۹۲۶ء، ص ۹ ۔

۱۳۔ حکومت بہاولپور، پریس کمیونک، ۲ مئی ۱۹۳۶ء، ص ۱ ۔

۱۴۔ حکومت بہاولپور گزٹ، ۱۹ نومبر ۱۹۳۶ء، ص ۶ ۔

۱۵۔ خفیہ فائل حکومت بہاولپور بہاولپور میں سیاسی سرگرمیاں، محافظ خانہ بہاولپور، خط نمبر ۲۵، ۱۹۳۴ء ۔

۱۶۔ صادق، مفتی محمد، قادیاں، سن ندارد، گرداس پور (انڈین پنجاب) ۔

۱۷۔ تفصیل کے لئے دیکھیں۔ فیصلہ مقدمہ بہاولپور، ڈسٹرکٹ جج منشی محمد اکبر خان، لاہور، ۱۹۳۵ء ۔

۱۸۔ صادق الاخبار گزٹ، پریس نوٹ وزارت عظمیٰ، ۱۱ جنوری ۱۹۳۶ء ۔

۱۹۔ صادق الاخبار، ۲۰ جولائی ۱۹۲۲ء، ص ۵۔

۲۰۔ مسعود حسن، شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۹۰۔

۲۱۔ بہاولپور، گورنمنٹ گزٹ، ۱۱ فروری، ۱۹۳۷ء، ص ص ۱، ۲ ۔

۲۲۔ مسعود حسن، شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۹۳۔

۲۳۔ آقائے نادار، جمیعت المسلمین بہاولپور، پمفلٹ نمبر ۲۷، (پبلک بہاولپور کیا چاہتی ہے)، نوبہار الیکٹرک پریس، ملتان، ۱۹۳۸ء ۔

۲۴۔ خفیہ فائل حکومت بہاولپور، بحوالہ سابقہ، ۲ دسمبر، ۱۹۳۸ء، ص ۵ ۔

۲۵۔ تفصیل کے لئے دیکھیے واقعہ سجد لھمن والی، مسعود حسن، شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۵۹ ۔

۲۶۔ خفیہ فائل حکومت بہاولپور، بحوالہ سابقہ، ۲۷ دسمبر، ۱۹۳۸ء، ص ۹۔

۲۷۔ ایضاً، ۳۰ دسمبر ۱۹۳۸ء ص ۱۱۔

۲۸۔ ایضاً، خفیہ خط کمشنر پولیس ریاست بہاولپور برائے وزیر اعظم ریاست بہاولپور، سن ندارد، ص ۲۴۔

۲۹۔ ایضاً، رپورٹ وزیر اعظم برائے امیر آف بہاولپور، ۱۹۳۹ء، ص ص ۶، ۷ ۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۷۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۷۔

۳۲۔ ایضاً، ص ۷۔

۳۳۔ ایضاً، صدر مجلس مرکزیہ حزب اللہ، اشتہار "ضروری گزارش"، ملتان، ۱۹۳۹ء ۔

۳۴۔ ایضاً، اللہ ڈیوایا، سیکرٹری جمیعت التجار بہاولپور، اشتہار "اعلان"، ملتان، ۱۹۳۹ء، ص ۱۴۔

۳۵۔ مسعود حسن، شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۱۷۔

۳۶۔ ایضاً، ص ۱۱۹۔

۳۷۔ ایضاً، ص ص ۱۲۲، ۱۲۳ ۔

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۲۶ ۔

۳۹۔ ایضاً، ص ۱۲۸۔

۴۰۔ ایضاً، ص ۱۳۵۔

۴۱۔ کائنات، سہ روزہ اخبار، ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء ۔

۴۲۔ انصاف، سہ روزہ اخبار، ۱۵ اپریل ۱۹۴۸ء۔